غزوات میں جنگی ہدایات واصلاحات: تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

War Instructions and Reforms in Ghazwat in the light of Prophet (PBUH)'s Teachings

*ڈاکٹر حافظ عبد الرشید

ABSTRACT

The battle in which the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) himself took part is called "Ghazwa". The Prophet (PBUH) also laid down noble rules for the war and made it obligatory on his soldiers and commanders to obey them and did not allow them to go outside under any circumstances. The instructions and reforms of the Holy Prophet (PBUH) regarding fighting are of unique significance in human history.

The existence of wars between nations is a historical fact and the "War" is a symbol of the humiliation and destruction of humanity, but the Holy Prophet (PBUH) associated it with a purpose, and reform it in such a way that the goal is achieved in the best possible way without causing much damage or harm and the Islam was able to dominate everywhere.

This article is an attempt to present the war instructions and reforms of the Holy Prophet (PBUH) to the scholars in an appropriate manner. First, the war instructions and then the war reforms are explained in the light of the Hadiths of the Prophet. This article adopts an inductive research approach.

KEY WORDS: *Ghazwah, War Reforms, Holy Prophet Teachings about War, Instructions about War. Reform of War*

حضور اکرم ﷺ کی مکی زندگی اور مدنی زندگی میں بہت سے امور میں نمایاں فرق موجود ہے۔ مکی زندگی میں دعوت کا انداز کچھ اور اور مدنی زندگی میں آپ کی دعوت کا انداز یکسر مختلف ہے۔ ان دونوں ادوار کو سامنے رکھتے ہوئے ایک داعی اپنی دعوت کو بہتر بنا سکتا ہے۔ اگر حضور اکرم ﷺ کی مدنی زندگی پر ایک طائرانہ نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی مہمات سے لبریز ہے۔ آپ ﷺ کے صبح و شام، دن و رات، سفر و حضر ایسی مہمات سے بھرپور ہیں کہ تاریخ اس کی بھی مثال لانے سے عاجز ہے۔ یہ مہمات آپ ﷺ کے زمانہ میں دو طرح کی تھیں:

1۔ غزوات 2۔ سرایا

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

علماءِ سیر کی اصطلاح میں غزوہ اس مہم کو کہتے ہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے، اور جس مہم میں آپ شریک تو نہیں ہوئے البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو اس مہم کے لیے روانہ فرمایا ہو اسے سریہ کہتے ہیں اور اس کی جمع سرایا ہے۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالہ مدنی زندگی ان غزوات و سرایا سے بھرپور ہے۔ صحیح اور راجح قول کے مطابق آپ کے غزوات کی تعداد 27 اور سرایا کی تعداد 35 ہے جیسا کہ ابن جریر طبری نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جنگی مہمات میں جابجا ایسی ہدایات جاری فرمائیں کہ وہ آج بھی امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو قرآن مجید نے جابجا ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں بہت سی اصلاحات فرمائیں، کیونکہ اسلام میں جنگ تو مقصود نہیں بلکہ مقصود تو اعلاء کلمۃ اللہ ہے، اس لیے قرآن مجید کی بیان کردہ ان ہدایات کو ذیل میں مختصراً ذکر کیا جارہا ہے۔

جنگی ہدایات اور نبوی تعلیمات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے بارے میں ایسی ایسی ہدایات دیں کہ جن سے اہل اسلام جنگ یقینی طور پر جیت لیتے تھے اور بعض اوقات تو بغیر کسی قسم کے جانی نقصان کے جنگ جیت جاتے تھے۔ ذیل میں ان ہدایات کو ذکر کیا جاتا ہے۔

1۔ استقلال اور ثابت قدمی

غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت اور بہادری کی طرح آپ کی استقامت اور استقلال بھی ایک مثال ہے۔ حالات کیسے بھی ہوں، خوشی ہو یا غمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پایہ استقلال میں ذرا بھی لغزش نہیں آتی تھی حتی کہ کئی مواقع پر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حوصلہ دیا اور جبل استقامت بنے رہے۔ قرآن مجید نے آپ کے اس وصف کو کئی مواقع پر بیان کیا ہے۔ سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی استقامت کو یوں بیان کیا ہے:

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ[3]

"(وہ وقت یاد کرو) جب تم منہ اٹھائے چلے جارہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے، اور رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے، چنانچہ اللہ نے تمہیں (رسول کو) غم (دینے) کے بدلے (شکست کا) غم دیا، تاکہ آئندہ تم زیادہ صدمہ نہ کیا کرو، نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے، اور نہ کسی اور مصیبت پر جو تمہیں پہنچ جائے۔ اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری

طرح باخبر ہے۔"

سید مودودیؒ غزوہ حنین میں آپ ﷺ کی استقامت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب مسلمانوں پر اچانک دو طرف سے بیک وقت حملہ ہوا اور ان کی صفوں میں ابتری پھیل گئی تو کچھ لوگ مدینہ کی طرف بھاگ نکلے اور کچھ احد پر چڑھ گئے، مگر نبی ﷺ ایک انچ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ دشمنوں کا چاروں طرف ہجوم تھا، دس بارہ آدمیوں کی مٹھی بھر جماعت پاس رہ گئی تھی، مگر اللہ کا رسول اس نازک موقع پر بھی پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جما ہوا تھا اور بھاگنے والوں کو پکار رہا تھا((اِلَیَّ عِبَادَ اللہِ اِلَیَّ عِبَادَ اللہِ))، "اللہ کے بندو میری طرف آؤ، اللہ کے بندو میری طرف آؤ"[4]

پھر اگر کسی موقعہ پر اہل اسلام کی جانب سے کچھ کم ہمتی کا مظاہر ہوا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے سابقہ امم اور انبیاء سابقین کی ثابت قدمی کو بیان کر کے اہل اسلام اور نبی آخر الزمان ﷺ کو تسلی اور حوصلہ دیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ [5]

"اور کتنے سارے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی! نتیجتاً انہیں اللہ کے راستے میں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو جھکایا۔ اللہ ایسے ثابت قدم لوگوں سے محبت کرتا ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں ازہریؒ لکھتے ہیں:

"اس آیت میں بھی ان لوگوں کی سرزنش کی جا رہی ہے جن کے قدم احد میں ڈگمگا گئے تھے کہ پہلے بھی انبیائے کرام اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت کفر سے جنگ آزما ہوئے لیکن وہ مصائب و شدائد میں گھبرائے نہیں۔ اور تم تو خیر الامم ہو اور سید الانبیاء کے غلام ہو۔ کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ مصیبت کے لمحوں میں ثابت قدم نہ رہو"۔[6]

آپ ﷺ نے تمام غزوات میں استقلال و ثابت قدمی کا ہی درس دیا بلکہ بعض مقامات پر اس کا ایسا نمونہ دیا کہ وہ آپ کی شانِ کریمی کے ہی لائق ہے۔ اور در حقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی تربیت کا نتیجہ تھا ورنہ انسانی ہمتیں اس کی مثال پیش نہیں کر سکتیں۔

ان غزوات میں آپ ﷺ کی استقامت سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1۔ امت کے قائدین میں عام لوگوں کی نسبت زیادہ استقامت اور بہادری ہونی چاہیے تا کہ مشکل وقت میں وہ امت کو سہارا دے سکیں۔

2۔ یہ اوصاف اعلیٰ درجہ میں صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں جن کا ایمان کامل درجہ کا ہو۔

3۔ جنگ میں کامیابی کا انحصار فوجی قوت اور عسکری طاقت پر ہی نہیں ہوتا بلکہ اصل چیز استقامت اور استقلال ہے۔

2۔ اتفاق واتحاد اور اطاعتِ امیر

جنگ کے زرّیں اصولوں میں ایک نمایاں اصول یہ ہے کہ امیر کی اطاعت کی جائے اور اس اصول میں کسی قسم کے اختلاف سے پرہیز کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں غزوات میں اپنے پیارے حبیب ﷺ کی غیبی مدد کا انتظام فرمایا وہاں اس قسم کے مواقع پر اگر کسی قسم کا اختلاف یا اطاعت امیر میں کسی قسم کی کوتاہی سرزد ہوئی تو اس پر قولاً و عملاً تنبیہ فرمائی۔ قرآن مجید نے واضح طور پر اس اصول کی طرف راہنمائی فرمائی ہے، ارشاد باری ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ[7]

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس آیت میں واضح طور پر یہ بات بتائی گئی ہے کہ کفار پر رعب قائم رکھنے کے لیے اور فتح و کامیابی کے حصول کے لیے یہ ضروری ہے کہ امیر کی اطاعت کی جائے۔ اختلاف سے اجتناب کیا جائے اور مشکل وقت میں صبر کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رکھا جائے۔

مولانا کاندھلویؒ نے ان آیات میں آداب جہاد کی بنیادی تعلیمات پر متنبہ کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بے سروسامانی کے باوجود فارس اور روم پر جو فتح نصیب ہوئی وہ اسی اطاعت کی برکت تھی اور جنگ احد میں مسلمانوں نے آپس میں جھگڑا کیا تو ان میں بزدلی آگئی اور دشمن کے مقابلہ سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور دشمنوں پر جو تمہاری دھاک بیٹھی ہوئی تھی وہ جاتی رہی۔[8]

گویا آپس کا اختلاف ایسی بری چیز ہے کہ اس سے نہ صرف برکت ختم ہو جاتی ہے بلکہ اختلاف کی نحوست سے بعض اوقات شکست کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جیسا کہ سابقہ واقعہ سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔

احادیث نبویہ ﷺ میں امام کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تاکید

حضور اکرم ﷺ نے اپنے جاںنثاروں کو جابجا اطاعت امیر کا حکم دیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

1۔ "عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ

وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ: لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ، وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ، فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ، وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَةٍ"[9]

"حضرت عوف بن مالک نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے حاکموں میں سے بہتر وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں اور وہ تمہارے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور تم ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہو۔اور تمہارے حاکموں میں سے برے حاکم وہ ہیں جن سے تم دشمنی رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہوں اور تم انہیں لعنت کرو اور وہ تمہیں لعنت کریں۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم انہیں تلوار کے ساتھ قتل نہ کردیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں اور جب تک اپنے حاکموں میں کوئی ایسی چیز دیکھو جسے تم ناپسند کرتے ہو تو اس کے اس عمل کو ناپسند کرو اور اطاعت و فرمانبرداری سے ہاتھ مت کھینچو۔"

2۔ "عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ:مَنْ خَالَفَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا، خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ" [10]

"حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے جماعت کی ایک بالشت بھی مخالفت کی تو اس نے اسلام کی رسی کو اپنی گردن سے اتار دیا۔"

3۔ "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، يَرْوِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَيُّمَا رَجُلٍ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ أَمْرًا فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ يَخْرُجُ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا، فَمَاتَ، إِلا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً"[11]

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں: آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے امیر سے کوئی ناگوار چیز دیکھے تو اس کو صبر کرنا چاہیے، اس لئے کہ جو شخص بادشاہ کی اطاعت سے ایک بالشت بھی باہر ہوا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

4۔ " عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَرْفَجَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺيَقُولُ:إِنَّهُ سَتَكُونُ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ، فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُفَرِّقَ أَمْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيعٌ، فَاضْرِبُوهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ" [12]

"زیاد بن علاقہ حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا عنقریب فتنے اور فساد ظاہر ہوں گے اور جو اس امت کی جماعت کے معاملات

میں تفریق ڈالنے کا ارادہ کرے اسے تلوار کے ساتھ مار دو وہ شخص کوئی بھی ہو۔"

گو یا جب انسان امیر کو کسی معقول بات کی وجہ سے بھی ناپسند کرتا ہو پھر بھی اس کی اس طرح سے مخالفت درست نہیں کہ اس کے خلاف اسلحہ اٹھالے بلکہ اسے صبر و تحمل کی تلقین کی گئی ہے اور حتی الامکان اطاعت کا حکم دیا ہے اور اس کی مخالفت کو گمراہی سے تعبیر کیا ہے۔

3۔ کثرتِ عدد کے بجائے نصرت باری تعالیٰ پر اعتماد

حضور اکرم ﷺ نے جہاد کی تربیت کے جو سنہری اصول اس امت کو عطا کیے ہیں ان میں سے ایک اہم اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ اہل اسلام کو کسی بھی موقعہ پر کثرتِ اسباب و آلات پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ فتح و کامرانی اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ تاریخ میں ایسے واقعات بڑی تعداد میں موجود ہیں کہ کم اسباب و آلات کے حامل افراد نے کثیر تعداد والوں پر فتح حاصل کی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے غزوات کا اگر اس نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اکثر غزوات میں اہل اسلام کی تعداد اور اسباب، حرب مد مقابل گروہوں کے مقابلہ میں کم ہوتے تھے، تو یہ نصرت باری تعالیٰ ہی تھی کہ جس نے اہل اسلام کو سرخرو کیا اور انہیں دشمن کے مقابلہ میں فتح و کامرانی سے نوازا۔ اور جب کبھی اہل اسلام نے بھی کثرت اسباب و آلات پر اعتماد کیا تو انہیں بھی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ قرآن مجید نے اس کیفیت کو ایک مقام پر یوں بیان کیا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ [13]

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سے مقامات پر مدد کی ہے، اور (خاص طور پر) حنین کے دن جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کر دیا تھا، مگر وہ کثرت تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم نے پیٹھ دکھا کر میدان سے رخ موڑ لیا۔"

اس آیت کا پسِ منظر یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ کفار ہوازن و ثقیف، حنین کے مقام پر جنگ کی غرض سے جمع ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ بارہ ہزار کا لشکر جرار لے کر ان کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے، کفار کے لشکر کی تعداد چار ہزار تھی۔ اس وقت بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ لفظ نکلا کہ آج ہم قلت عدد کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اولاً مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ چنانچہ مسلمان اپنی لغزش پر متنبہ ہوئے جس پر اللہ تعالیٰ نے تائید غیبی سے انہیں فتح نصیب فرمائی۔ [14]

اس سے معلوم ہوا کہ کثرتِ عدد اور اس قسم کے دیگر اسباب پر نظر نہیں رکھنی چاہیے بلکہ نظر تو اللہ کی ذات پر ہونی چاہیے اور اسباب کو صرف حکم باری تعالیٰ کی وجہ سے اختیار کرنا چاہیے۔

4۔ دورانِ قتال فخر وغرور کی ممانعت

دوران جہاد کامیابی وکامرانی اور اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت کے حصول کیلئے ضروری ہے کہ اہل اسلام فخر ومباہات سے اجتناب کریں، غرور اور تکبر سے کوسوں دور رہیں اور تواضع اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ [15]

" اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے تھے، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روک رہے تھے۔ اور اللہ نے لوگوں کے سارے اعمال کو (اپنے علم کے) احاطے میں لیا ہوا ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو مشرکین واعدائے اسلام کی مشابہت اختیار نہ کرنے کا حکم دیا ہے کہ جس طرح کفار اپنے گھروں سے غرور وتکبر کے ساتھ نکلتے تھے تم اس طرح کے رویے سے اجتناب کرو، کیونکہ نمود ونمائش، شہرت وناموری اور ریاکاری وغیرہ سب ایسی چیزیں ہیں جو شکست کا باعث بنتی ہیں۔ کفار کی افواج کا ہر زمانے میں یہی وطیرہ رہا ہے کہ وہ قحبہ خانوں، فواحش اور شراب نوشی کے بغیر جنگ نہیں کرتے۔ اور اس کی بنیادی وجہ درحقیقت دونوں جماعتوں کے مقاصد اور مطمح نظر کا اختلاف ہے۔ کفار کے ہاں دنیا ہی اصل ہے، اس لیے ان کے ہاں اس کا حصول جس انداز سے بھی ہو وہ اس کی پروا نہیں کرتے جبکہ مجاہدین اسلام کے پیش نظر اعلاء کلمۃ اللہ ہے نہ کہ قتل وغارت گری جو کہ اللہ کی خوشنودی کے بغیر ممکن نہیں۔[16]

آیت مبارکہ سے درج ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

1۔ مجاہدین کو نمود ونمائش اور فخر ومباہات سے اجتناب کرنا چاہیے۔

2۔ مجاہدین کا مقصود اعلاء کلمۃ اللہ ہے جب کہ مشرکین کا مقصد دنیا کا حصول اور شان وشوکت کا اظہار ہوتا ہے۔

3۔ عصر حاضر میں بھی کفار مادی طاقت وقوت پر اعتماد کرتے ہوئے تکبر وغرور کا اظہار کرتے ہیں، اس لئے اہل ایمان کو اللہ کی ذات پر اعتماد کرنا چاہیے اور کفار کی مشابہت سے بچنا چاہیے۔

4۔ دوران قتال کفار پر رعب جمانے کیلے طاقت وقوت کا اظہار درست ہے لیکن دل میں تواضع ضروری ہے۔

5۔ دورانِ قتال صف بستہ وصف آراء ہونا

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے مجاہدینِ اسلام کو حکم دیا ہے کہ وہ دورانِ جہاد صف بستہ وصف آراء ہو کر لڑیں اور بوقت جہاد اس بات کو مد نظر رکھیں کہ وہ اس عمل کے ذریعے سے اللہ تعالی کے محبوب ترین افراد بن جائیں گے۔ لہٰذا یہ جس قدر عظیم الشان کام ہے اس کی ذمہ داریاں بھی اسی قدر ہیں، جن میں دورانِ قتال نظم وضبط کا اہتمام انتہائی ضروری ہے۔ ارشادالٰہی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ [17]

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح صف بنا کر لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں"

سید مودودیؒ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"اللہ کو جو فوج پسند ہے اس میں تین صفات پائی جانی چاہئے۔ ایک یہ کہ وہ خوب سوچ سمجھ کر اللہ کی راہ میں لڑے اور کسی ایسی راہ میں نہ لڑے جو فی سبیل اللہ کی تعریف میں نہ آتی ہو۔ دوسری یہ کہ وہ بد نظمی وانتشار میں مبتلا نہ ہو بلکہ مضبوط تنظیم کے ساتھ صف بستہ ہو کر لڑے۔ تیسری یہ کہ دشمنوں کے مقابلہ میں اسکی کیفیت "سیسہ پلائی ہوئی دیوار" کی سی ہو"۔[18]

اس آیت میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہاں جو قانون بیان ہوا ہے اس پر عمل کرنے سے مسلمانوں کو ہی فائدہ ہو گا، کیونکہ جب مجاہدینِ اسلام ڈٹ کر اعداءِ اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں تو پھر جہاں آخرت بنتی ہے وہیں اللہ تعالی اس عظیم عمل کی برکت سے دنیوی معاملات اور ان کے معاشی حالات میں بھی آسانی پیدا کر دیتے ہیں۔

6۔ شرکاءِ لشکر کی صلاحیتوں کی معرفت

حضور اکرم ﷺ اپنے رفقاءِ لشکر کی صلاحیتوں کی پوری طرح خبر رکھتے تھے، ان کی خوبیاں اور کمالات آپ ﷺ کے سامنے تھے، اس لیے آپ ﷺ ہر آدمی کو اسی کام پر متعین فرماتے جسے اس کام کو انجام دینے کی پوری صلاحیت اس میں موجود ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انتخاب فرماتے وہ اپنے اہداف ومہمات کو بآسانی سرانجام دے دیتے۔

امام مسلمؒ نے غزوہ احد کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جس میں آپ ﷺ کا یہ وصف بیان کیا ہے:

"عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَخَذَ سَيْفًا يَوْمَ أُحُدٍ فَقَالَ:مَنْ يَأْخُذُ مِنِّي هَذَا؟ فَبَسَطُوا أَيْدِيَهُمْ، كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ يَقُولُ: أَنَا، أَنَا، قَالَ: فَمَنْ يَأْخُذُهُ بِحَقِّهِ؟ قَالَ فَأَحْجَمَ الْقَوْمُ. فَقَالَ سِمَاكُ بْنُ خَرَشَةَ أَبُو دُجَانَةَ: أَنَا آخُذُهُ بِحَقِّهِ. قَالَ: فَأَخَذَهُ فَفَلَقَ بِهِ هَامَ الْمُشْرِكِينَ"[19]

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احد کے دن ایک تلوار لے کر فرمایا مجھ سے یہ تلوار کون لے گا۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک نے اپنے ہاتھوں کو یہ کہتے ہوئے دراز کیا میں، آپ ﷺ نے فرمایا اسے اس کا حق ادا کرنے کی شرط پر کون لیتا ہے۔ لوگ پیچھے ہٹ گئے تو حضرت سماک بن خرشہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اسے اس کا حق ادا کرنے کی شرط پر لیتا ہوں۔ پس انہوں نے یہ تلوار لے لی اور اس کے ساتھ مشرکین کی کھوپڑیاں پھوڑیں۔"

ابودجانہؓ نے اس تلوار سے نہایت شدید لڑائی کی اور جب مسلمان محاصرے میں آگئے تو ابودجانہؓ نے اپنے جسم کو رسول اللہ کیلئے ڈھال بنالیا اور اپنی پیٹھ حضور اکرم ﷺ پر جھکادی، تیر ابودجانہؓ کی پیٹھ پر برستے رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے جو ابودجانہؓ کی صلاحیتوں کا ادراک کر کے تلوار دی تھی، ابودجانہؓ نے اس کا حق ادا کیا اور آپ ﷺ کا اس انداز سے دفاع کیا جو قابلِ رشک ہے۔

7۔ دشمن کے بارے میں معلومات کا حصول

جنگ کے دوران دشمن کے بارے میں پوری معلومات رکھنا انتہائی اہم ہوتا ہے اور جنگی منصوبہ بندی کا دارومدار ہی دشمن کے بارے میں ملی ہوئی معلومات پر ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ اس کا بہت اہتمام فرماتے اور مختلف ذرائع سے دشمن کی طاقت وقوت اور ان کی تیاریوں کی خبر رکھتے۔

آپ ﷺ مختلف طریقوں سے کفار کی جنگی تدابیر کے بارے میں معلومات حاصل کرتے۔ مثلاً:

1۔ جاسوسوں کے ذریعے

2۔ شخصی اطلاعات کے ذریعے

3۔ اہل الرائے سے مشورہ کے ذریعے

مختلف غزوات میں آپ ﷺ نے مختلف ذرائع سے دشمن کی معلومات کا حاصل کرنے کا اہتمام فرمایا۔

غزوہ بدر میں آپ ﷺ نے چھاپہ مار ٹیم کے پکڑے ہوئے دو قیدیوں سے معلومات لیں کہ ان کھانے کے لیے کتنے اونٹ ذبح کرتے ہو تو انہوں نے کہا کہ ایک وقت میں نو اور دوسرے وقت میں دس، تو آپ ﷺ نے اس سے انداز کیا کہ کفار کے لشکر کی تعداد 900اور 1000 کے درمیان ہے۔[20]

غزوہ احزاب میں آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دشمن کی معلومات کے حصول کے لئے بھیجا اور وہ ان کے لشکر میں گھس کر کافی معلومات لائے۔[21]

اسی طرح غزوہ حنین میں آپ ﷺ نے اس خدمت کے لیے حضرت عبداللہ بن حدود رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ انہوں نے ایک دو روز حالات کی جستجو میں گزارے اور اہم معلومات لے کر لوٹے اور رسول اللہ کو آگاہ کیا۔[22]

جنگی اصلاحات اور نبوی تعلیمات

اسلام میں جہاد کا جو مقام و مرتبہ ہے اسی لحاظ سے اسلام نے جنگ کے طور طریقوں میں جو اصلاحات کی ہیں وہ بھی اہمیت کی حامل ہیں اور اسلام کے تصور جہاد کو واضح کرتی ہیں۔ آپ ﷺ نے دوران قتال ایسے تمام امور جن میں وحشت و بربریت کا عنصر تھا ان سے مجاہدینِ اسلام کو اجتناب کرنے کا حکم فرمایا۔ اسی لیے غزوات میں اپنی کثرت تعداد کے باوجود بھی ان میں انسانی جانوں کا نقصان نہ ہونے کے برابر ہے۔ ذیل میں حضور اکرم ﷺ کی جانب سے کی گئی اصلاحات کی ایک فہرست دی جاتی ہے۔

1۔ غیر مقاتلین کے قتل کی ممانعت

حضور اکرم ﷺ نے دوران جہاد ایسے افراد کو قتل کرنے کی ممانعت فرمادی جو بالواسطہ یا بلاواسطہ جنگ میں شریک نہ ہوں۔

"عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَخْبَرَهُ: أَنَّ امْرَأَةً وُجِدَتْ فِي بَعْضِ مَغَازِي النَّبِيِّ ﷺ مَقْتُولَةً، فَأَنْكَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَتْلَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ"[23]

"حضرت نافع سے مروی ہے کہ ایک غزوہ میں ایک کافر عورت مقتول پائی گئی تو آپ ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا اور آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کیا۔"

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"انْطَلِقُوا بِاسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ، وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا وَلَا صَغِيرًا وَلَا امْرَأَةً، وَلَا تَغُلُّوا، وَضُمُّوا غَنَائِمَكُمْ، وَأَصْلِحُوا وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ"[24]

"اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نکلو اور اللہ کے رسول کے دین پر رہتے ہوئے نکلو اور نہ کسی بوڑھے ضعیف کو قتل کرو اور نہ چھوٹے کو اور نہ عورت کو اور نہ اموال غنیمت میں چوری کرو۔ جنگ میں جو کچھ ملے اسے ایک جگہ جمع کرو، نیکی اور احسان کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ کسی بھی طور پر جنگ میں شریک نہیں ان کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ یہ بات معلوم ہو کہ جہاد میں قتل و غارت گری مقصود نہیں۔

2۔ آگ میں جلانے کی ممانعت

اسلام کے آنے سے پہلے لوگ فتح کے نشہ میں مغلوب اقوام کو شدتِ انتقام کی وجہ سے آگ میں زندہ جلادیا کرتے تھے لیکن حضور اکرم ﷺ نے اہل اسلام کو اس وحشیانہ حرکت سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَمْزَةَ الْأَسْلَمِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَّرَهُ عَلَى سَرِيَّةٍ قَالَ: فَخَرَجْتُ فِيهَا، وَقَالَ:إِنْ وَجَدْتُمْ فُلَانًا فَأَحْرِقُوهُ بِالنَّارِ. فَوَلَّيْتُ فَنَادَانِي فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ:إِنْ وَجَدْتُمْ فُلَانًا فَاقْتُلُوهُ وَلَاتُحْرِقُوهُ، فَإِنَّهُ لَايُعَذِّبُ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ"[25]

"محمد بن حمزہ اسلمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ کا امیر بنایا تو یہ کہتے ہیں کہ جب میں اس سریہ میں نکلنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم فلاں کو پاؤ تو اسے آگ میں جلا دینا، تو جب میں جانے کے لیے پلٹا تو آپ نے مجھے آواز دی، میں واپس پلٹا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم اسے پاؤ تو اسے قتل کر دینا لیکن اسے جلانا نہیں ہے کیونکہ آگ کا عذاب دینا، سوائے آگ پیدا کرنے والے کے کسی کو مناسب نہیں۔"

اس طرح آپ ﷺ نے قیامت کی صبح تک کے انسانوں کو آگ کے عذاب سے محفوظ کر دیا، جو صرف اللہ کا حق ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب بنو نضیر کی خیانتیں، سازشیں اور غداریاں انتہاء کو پہنچ گئیں تو رسول کریم ﷺ نے ان کو شہر خالی کر دینے کیلئے اس دن کی مہلت دی لیکن جب وہ اس کے باوجود مقابلہ کیلئے قلعہ بند ہوگئے تو آپ ﷺ نے ان کے قلعہ کو آگ لگا دینے یا ان کے قتل عام کا حکم اس وقت بھی نہ دیا تھا۔[26]

اس سے معلوم ہوا کہ آگ کا عذاب دینا کسی صورت میں بھی درست نہیں۔ اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے حضرت حمزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو خاص انداز میں دوبارہ بلا کر سمجھایا کہ جلانے کی اجازت نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسانیت کی تذلیل مقصود نہیں بلکہ اگر کسی وقت قتل کی نوبت آ بھی جاتی ہے تو آسان صورت کی تلقین کی گئی ہے۔

3۔ میّت کا مثلہ کرنے کی ممانعت

زمانہ جاہلیّت سے یہ رواج چلا آرہا تھا کہ دشمن کی لاش کی بے حرمتی کرنا، اس کا مثلہ کرنا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کو معیوب نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ اکثر وبیشتر لوگ اس قسم کے کام کو کر گذرتے تھے جیسا کہ غزوہ احد کے موقع پر سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے ساتھ ایسا کیا گیا تھا۔ لیکن اس رسم بد کے باوجود آپ ﷺ نے مجاہدین اسلام کو اس قبیح اور خبیث حرکت سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اغْزُوا بِسْمِ اللَّهِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ، وَلَا تَغُلُّوا، وَلَا تَغْدِرُوا، وَلَا تُمَثِّلُوا، وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا" [27]

"اللہ تعالیٰ کے نام پر اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اس شخص سے قتال کرو جو اللہ کا انکار کرے اور غنیمت میں خیانت نہ کرنا، نہ بدعہدی کرنا اور مثلہ نہ کرنا اور نہ کسی بچے کو قتل کرنا۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رومی بطریق کا سر کاٹ کر لایا گیا تو تو آپ اس پر شدید ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ہمارا کام رومیوں اور ایرانیوں کی پیروی کرنا نہیں ہے۔[28]

انسانیت کے خلاف جو رسمیں رواج پا چکی تھیں آپ ﷺ نے ان کی بھی نہ صرف اصلاح فرمائی بلکہ انہیں جڑ سے اکھاڑنے کے لیے جملہ اقدامات بھی کیے۔

4۔ کھیتوں اور بستیوں کو تباہ کرنے کی ممانعت

قبل از اسلام جنگوں میں فوجوں کا یہ معمول تھا کہ جب وہ کسی علاقے کو فتح کر لیتیں تو پھر اس علاقے میں موجود فصلوں، کھیتوں اور بستیوں کو تباہ و برباد کر دیتیں جسے قرآن نے فساد سے تعبیر کیا ہے:

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ[29]

"اور جب پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے اور خدا فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا۔"

مفسرین نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اگر دوران قتال حربی ضرورت کے تحت درختوں کو کاٹنا پڑے اور دشمن تک پہنچنے میں راستہ کو صاف کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس صورت میں درختوں کو کاٹنا درست ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ[30]

"(مومنو!) کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو خدا کے حکم سے تھا اور مقصود یہ تھا کہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔"

اس ضمن میں ایک حدیث مبارک وارد ہوتی ہے:

"وَلا تُغْرِقُنَّ نَخْلاً وَلا تَحْرِقُنَّهَا، وَلا تَعْقِرُوا بَهِيمَةً، وَلا شَجَرَةً تُثْمِرُ، وَلا تَهْدِمُوا بَيْعَةً"[31]

"کھجوروں کے باغ کو تباہ نہ کرنا اور نہ ہی انہیں جلانا، اور نہ ہی کسی جانور کو مارنا، اور نہ ہی پھل دار درخت کو کاٹنا اور نہ ہی عبادت گاہوں کو گرانا۔"

ان آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنگ کے دوران کھیتوں، درختوں اور بستیوں کو تباہ کرنا منع ہے ماسوائے کسی خاص ضرورت کے۔ یہی بات تینوں مفسرین کی تفاسیر میں بیان ہوئی ہے۔[32]

5۔ قیدیوں کو قتل کرنے کی ممانعت

اسلام سے قبل قیدیوں سے ناروا سلوک، انہیں اذیت پہنچانا اور ظلم سے قتل کرنا عام دستور تھا لیکن جنگ کے بارے میں دینِ اسلام نے 1950ء میں جنیوا کنونشن سے تیرہ سو برس پہلے ہی جہاں دیگر امور کی اصلاح کی وہیں قیدیوں کے بارے میں احسان کا معاملہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَإِذا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّى إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا[33]

"جب تمہارا انکار کرنے والوں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنوں پر ضرب لگاؤ، یہاں تک کہ جب تم انہیں قتل (کر کے شکست دے) چکو تو انہیں مضبوطی سے باندھ لو۔ (اس کے بعد ان جنگی قیدیوں کو) بطور احسان رہا کر دو یا پھر فدیہ لے کر چھوڑ دو۔ یہ سب معاملہ اس وقت تک ہو جب تک لڑنے والے اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں۔"

اس آیت میں جنگی قیدیوں کے ساتھ دو ہی معاملات کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ انہیں بطور احسان رہا کر دیا جائے اور دوسرا یہ کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی تمام جنگوں کا اگر تفصیل سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے بین الاقوامی جنگی قانون کے تحت بسا اوقات دشمن کے جنگی قیدیوں کو غلام بنایا گیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ذاتی طور پر کوشش کر کے انہیں غلامی سے نجات دلائی۔ بسا اوقات آپ ﷺ نے خود فدیہ ادا کر کے دشمن کے جنگی قیدیوں کو رہائی عطا فرمائی۔ تینوں مفسرین کا یہی نقطہ نظر ہے۔[34]

6۔ اسلام کا اظہار کرنے والے کو قتل کرنے کی ممانعت

اسلام میں چونکہ جہاد کا مقصد قتل وغارت گری نہیں بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کے عہد مبارک میں جسقدر جنگیں ہوئی ان میں حتی الامکان قتل وغارت گری سے روکا گیا ہے، جس کی واضح مثال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے غیر مقاتلین کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔ اسی طرح ایسے لوگوں کو بھی قتل کرنے سے منع کر دیا کہ جو عین قتال کے وقت کلمہ اسلام ظاہر کریں۔ بعض مواقع پر اگر کسی صحابی سے کوئی ایسا واقعہ ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا[35]

"اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں سفر کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو، اور جو شخص تم کو سلام کرے تو دنیوی زندگی کا سامان حاصل کرنے کی خواہش میں اس کو یہ نہ کہو کہ: تم مومن

نہیں ہو۔"

اس آیت میں یہ اصول بیان کر دیا گیا کہ اگر کوئی شخص ہمارے سامنے اسلام لائے اور اسلام کے تمام ضروری عقائد کا اقرار کرلے تو ہم اسے مسلمان ہی سمجھیں گے اور اس کے دل کا حال اللہ پر چھوڑیں گے اور اس سے میدان جنگ میں تعرض نہ کریں گے۔ سید مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"لڑائیوں کے موقع پر ایک پیچیدگی یہ پیش آتی تھی کہ مسلمان جب کسی دشمن گروہ پر حملہ کرتے اور وہاں کوئی مسلمان اس لپیٹ میں آجاتا تو وہ حملہ آور مسلمانوں کو یہ بتانے کے لیے کہ وہ بھی ان کا دینی بھائی ہے "السلام علیکم" یا "لا الہ الا اللہ" پکارتا تھا، مگر مسلمانوں کو اس پر یہ شبہہ ہوتا تھا کہ یہ کوئی کافر ہے جو محض جان بچانے کے لیے حیلہ کر رہا ہے، اس لیے بسا اوقات وہ اسے قتل کر بیٹھتے تھے اور اس کی چیزیں غنیمت کے طور پر لوٹ لیتے تھے۔ نبی ﷺ نے ایسے ہر موقع پر نہایت سختی کے ساتھ سرزنش فرمائی۔ مگر اس قسم کے واقعات برابر پیش آتے رہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس پیچیدگی کو حل کیا۔ آیت کا منشا یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے اس کے متعلق تمہیں سرسری طور پر یہ فیصلہ کر دینے کا حق نہیں ہے کہ وہ محض جان بچانے کے لیے جھوٹ بول رہا ہے"۔[36]

پیر کرم شاہ الازہریؒ اس آیت مبارکہ کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

"اس آیت میں حالت جنگ میں بھی بلاوجہ قتل وغارت سے روک دیا۔ جب تک تمہیں یقین نہ ہو جائے کہ یہ محارب کافر ہے اس وقت تک ہاتھ نہ اٹھاؤ اور اگر کوئی عین اس وقت بھی اظہار اسلام کرے تو مال غنیمت کے حصول کیلئے اس کی شہادت رد نہ کرو"[37]

7۔ مصالحت اور جنگ بندی

اسلام کے مخالفین یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام جارحیت پسند اور مسلمان جنگ جو قوم ہے۔ حالانکہ اسلام کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ جو کفار تبلیغ دین میں رکاوٹ اور کسی پر ظلم زیادتی نہیں کرتے ان کے ساتھ جنگ نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ خواہ تم کتنے ہی مضبوط کیوں نہ ہو اگر دشمن تمھارے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ ہو تو کسی گھمنڈ میں آنے کے بجائے صلح کی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ کو تھام لو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ وہ ہر بات سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید میں یوں بیان فرماتے ہیں:

وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ[38]

"اور اگر وہ لوگ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی ان کی طرف جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو، یقین جانو وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔"

ازہریؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اسلام صلح، امن اور سلامتی کا دین ہے اور وہ اپنے ماننے والوں کو فقط اس وقت جنگ کی اجازت دیتا ہے جب اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر اب جنگ سے گریز کیا تو باطل کا بے رحم ہاتھ حق کے شجر ثمر بار کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دے گا۔ ان حالات میں جہاد سے فرار صلح پسندی کی علامت نہیں بلکہ بزدلی اور نامرادی ہے جسے اسلام اپنے فرزندوں کے لیے ہرگز گوارہ نہیں کرتا"۔[39]

سید مودودیؒ نے اس پہلو پر بھی بات کی ہے:

"بین الاقوامی معاملات میں تمہاری پالیسی بزدلانہ نہیں ہونی چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر بہادرانہ اور دلیرانہ ہونی چاہیے۔ دشمن جب گفتگوئے مصالحت کی خواہش ظاہر کرے، بے تکلف اس کے لیے تیار ہو جاؤ اور صلح کے لیے ہاتھ بڑھانے سے اس بنا پر انکار نہ کرو کہ وہ نیک نیتی کے ساتھ صلح نہیں کرنا چاہتا بلکہ غداری کا ارادہ رکھتا ہے۔ کسی کی نیت بہر حال یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ واقعی صلح ہی کی نیت رکھتا ہو تو تم خواہ مخواہ اس کی نیت پر شبہ کر کے خونریزی کو طول کیوں دو۔ اور اگر وہ غدر کی نیت رکھتا ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر بہادر ہونا چاہیے۔ صلح کے لیے بڑھنے والے ہاتھ کے جواب میں ہاتھ بڑھاؤ تاکہ تمہاری اخلاقی برتری ثابت ہو، اور لڑائی کے لیے اٹھنے والے ہاتھ کو اپنی قوت بازو سے توڑ کر پھینک دو تاکہ کبھی کوئی غدار قوم تمہیں نرم چارہ سمجھنے کی جرات نہ کرے"۔[40]

صلح بندی کی فقہی حیثیت

اسلام میں صلح کی اہمیت سابقہ بحث میں واضح ہو گئی، لیکن یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ اسلام میں اس صلح کا مقام کیا ہے، اس بارے میں اہل علم کی آراء درج ذیل ہیں:

مولانا کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

"فقہاء کرام نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ مسلمان فرمانروا کافروں سے ایک مدت معینہ کے لیے صلح کر سکتا ہے۔ مگر جہاں تک ممکن ہو صلح کی مدت کم مقرر کرے اور دس سال سے زیادہ کا معاہدہ نہ کرے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے حدیبیہ میں قریش سے دس سال کے لیے معاہدہ

کیا۔ اس سے زیادہ مدت کے لیے کبھی کسی سے کوئی معاہدہ نہیں کیا۔ بہر حال ایک مدت معینہ کے لیے کافروں سے صلح جائز ہے اور اس مدت میں اگر کفار اپنے عہد کو توڑ ڈالیں تو وہ بجائے معاہدہ کے محارب سمجھے جائیں گے۔ بلا اطلاع کے ان پر چڑھائی اور فوج کشی جائز ہو گی۔ جیسے قریش نے صلح حدیبیہ کو توڑا تو آنحضرت ﷺ بلا اعلانِ جنگ قریش پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے اور مکہ کو فتح کر لیا"۔[41]

صلح کی فقہی حیثیت کو صاحب ہدایہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وإذا رَأى الإمَامُ أَن يُصَالِحَ أَهلَ الْحَربِ أَوْ فَرِيْقًا مِنهُمْ وكَانَ فِي ذٰلِكَ مَصلِحَةً لِلْمُسْلِمِيْنَ فَلَابَأْسَ بِه لِقَولِه تَعَالٰى: "وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ" ووَادعَ رَسُوْلُ اللهِ عَلَيهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَام أَهْلَ مَكَّةَ عَامَ الْحُدَيبِيَّةِ عَلٰى أن يَضعَ الحربُ بَيْنَه وَبينَهُمْ عَشر سِنِينَ وَلأَنَّ الْموادعَةَ جِهادٌ مَعنًى إِذا كانَ خَيْرًا لِلمُسلِمِينَ لأنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ دَفعُ الشَّرِّ حَاصِلٌ بِه وَلَا يَقتصِرُ الْحُكمُ على المدَّةِ الْمَروِيَّةِ لِتعدي الْمَعْنٰى إِلٰى مَا زَادَ عَلَيْهَا بِخلافِ مَا إِذَا لم يكن خيرًا لأنَّه تَركُ الْجِهَادِ صُورَةً وَمَعْنًى"۔[42]

"اور جب امام اہل حرب سے یا ان کے کسی فریق سے صلح کرنا مناسب سمجھے اور اس میں مسلمانوں کے حق میں بھلائی ہو تو صلح میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ "اور اگر کافر صلح پر آمادہ ہوں تو آپ بھی تیار ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔"

آپ ﷺ نے حدیبیہ کے موقعہ پر کفار کے ساتھ معاہدہ فرمایا کہ کفار اور مسلمانوں کے درمیان دس سال تک جنگ نہ کی جائے گی۔ اور اس لیے بھی کہ لڑائی کا چھوڑنا بھی معنی جہاد ہے جبکہ اس میں مسلمانوں کی بھلائی ہو کیونکہ مقصود شر کا دفع کرنا ہے جو اس سے حاصل ہے۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ صلح میں مسلمانوں کی بھلائی نہ ہو تو پھر یہ جہاد کو چھوڑنا ہے صورۃً بھی اور معنیً بھی۔

خلاصہ بحث:

حضور اکرم ﷺ نے غزوات میں بہادری اور شجاعت کی ایسی عظیم مثالیں قائم کی ہیں جو تا قیامت اہل اسلام کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اور آپ نے جہاد میں قتال کو مقصود قرار نہیں دیا کہ انسانی خون بہانا اس کا مقصد ہو، بلکہ آپ نے اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد کیا۔ اسی وجہ سے جہاد فی سبیل اللہ میں مذکورہ بالا جنگی ہدایات واصلاحات حضور اکرم ﷺ کا وہ عظیم ترین کارنامہ ہے جس کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ بلاشبہ اسلام کا پوری انسانیت کے لیے یہ ایک عظیم سرمایہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ کو ان تمام وحشیانہ اور خلاف فطرت اور غیر انسانی امور سے پاک کر دیا جو اس عہدِ جاہلیت میں جنگ کے لازمی اجزاء تھے۔ آپ ﷺ نے جنگ میں مثبت اصولوں کو متعارف کرا کر اس بات کی وضاحت

کی کہ اسلام کا کوئی عمل بھی انسانی خواہشات کے تابع اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے خالی نہیں۔ اصلاح کے اس پورے نظام کے پیچھے سالارِ اعظم ﷺ کی شخصیت نظر آتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاں جنگ کے مقاصد اور طریق حصولِ مقصد کو پاکیزہ کیا وہاں آپ ﷺ نے فوج کی عمدہ تربیت بھی کی اور اپنی جنگی حکمت عملی کو مثالی بنایا۔ اسی وجہ سے تاریخ نے دیکھا کہ دس سال کی قلیل مدت میں اس قدر کثیر جنگیں ہونے کے باوجود انسانی جانوں کا ضیاع کم سے کم مقدار میں ہوا۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، سیرۃ المصطفی ﷺ، الطاف اینڈ سنز، کراچی، 1433ھ، 2/44

2۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، 1412ھ، 8/48، 49

3۔ سورۃ آل عمران: 3/153

4۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، صفر 1425ھ- اپریل 2004ء، 1/295

5۔ سورۃ آل عمران: 3/146

6۔ ازہری، محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ربیع الثانی 1425ھ، 1/282

7۔ سورۃ الانفال: 8/46

8۔ کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، معارف القرآن، مکتبۃ المعارف، دار العلوم حسینیہ، شہداد پور، سندھ، 1433ھ، 3/340

9۔ مسلم، ابن الحجاج قشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، س-ن، کتاب الامارۃ، باب خیار الامۃ وشرارھم، رقم الحدیث: 3447، 9/403

10۔ احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ بن محمد، مسند امام احمد بن حنبل، عالم الکتب، مکتبہ النہضہ العربیہ، بیروت، لبنان، طبع اول، 1419ھ- 1998ء، رقم الحدیث: 21560، 5/180 (یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے۔ بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل، محقق: شعیب الارنؤوط، عادل مرشد وآخرون، 35/444)

11۔ احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ بن محمد، مسند امام احمد، رقم الحدیث: 2825، 1/310 (یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی اسناد حسن ہیں۔ بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل، محقق: شعیب الارنؤوط، عادل مرشد وآخرون، 5/33)

12۔ مسلم، ابن الحجاج قشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب حکم من فرق أمر المسلمین وھو مجتمع، رقم الحدیث: 3442، 9/395

13۔ سورۃ التوبۃ: 9/25

14۔ کاندھلوی، محمد ادریس، معارف القرآن، 3/404، 405؛ ازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، 2/191، 192

15۔ سورۃ الانفال: 8/47

16۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، 2/149-151

17۔ سورۃ الصف:61/4

18۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، 5/456

19۔ مسلم، ابن الحجاج قشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل ابی دجانۃ سماک بن خرشۃ رضی اللہ تعالی عنہ، رقم الحدیث:4516، 12/246

20۔ دریابادی، عبد الماجد، مولانا، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، اکتوبر 2001ء، ص:374

21۔ سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان القرآن، فرید بک سٹال اردو بازار، لاہور، 2006ء، 9/390

22۔ پانی پتی، ثناء اللہ، قاضی، تفسیر مظہری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، 2003ء، 5/149

23۔ البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، الجامع الصحیح البخاری، دار طوق النجاۃ، دمشق، 1422ھ، کتاب الجھاد والسیر، باب قتل الصبیان فی الحرب، رقم الحدیث:3014، 7/563

24۔ ابو داود سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابی داوٗد، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، لبنان، س-ن، کتاب الجھاد، باب فی دعاء المشرکین، رقم الحدیث:2247، 7/195

25۔ ابو داود سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابی داود، کتاب الجھاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، رقم الحدیث:2299، 7/279

26۔ کاندھلوی، محمد ادریس، معارف القرآن، 8/360

27۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ، سنن الترمذی، عالم الکتب، مکتبہ النہضہ العربیہ، بیروت، لبنان، 1409ھ، کتاب الدیات عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی النھی عن المثلۃ، رقم الحدیث:1328، 5/294

28۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، 5/82

29۔ سورۃ البقرہ:2/205

30۔ سورۃ الحشر:59/5

31۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی، دار الکتب العلمیہ، السنن الکبریٰ، بیروت، لبنان، طبع سوم، 1424ھ-2003ء کتاب السیر، باب تحریم قتل مالہ روح الا بأن یذبح فیؤکل، رقم الحدیث 18125، 9/145

32۔ کاندھلوی، محمد ادریس، معارف القرآن 8/21-23، 1/397-399؛ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن 1/159، 160، 5/388-386؛ ازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن 1/140، 141، 5/166، 167

33۔ سورۃ محمد:47/4

34۔ کاندھلوی، محمد ادریس، معارف القرآن 7/396-401؛ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن 5/12-14؛ ازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن 4/504، 505

35۔ سورۃ النساء:4/94

36۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، 1/384

37۔ ازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، 1/379

38۔ سورۃ الانفال:8/61

39۔ ازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، 2/163

40۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، 2/156

41۔ کاندھلوی، محمد ادریس، معارف القرآن، 3/356

42۔ مرغینانی، برھان الدین، ابوالحسن علی بن ابی بکر، الہدایۃ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، 1990ء، 2/381